مکمل ناول

نبیلہ ابر راجہ

میں گمان نہیں یقین ہوں

آٹھویں قسط

نمناں خراماں خراماں چلتی گیٹ سے باہر نکلی۔ آج اس کی آنکھ خاصی دیر سے کھلی تھی۔ اچھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت تک تو وہ سلائی کڑھائی کے مرکز کے آفس میں بیٹھی ہوتی تھی ناشتا کیے بغیر وہ تیار ہوئی۔ گیٹ سے باہر گارڈ ایک نوجوان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

"مجھے فوری طور پہ زیان سے ملنا ہے۔ آپ مجھے اندر جانے دیں۔" نوجوان کا انداز بے حد لجاجت بھرا اور التجائیہ تھا۔ نمناں کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ غور سے نووارد کو دیکھنے لگی۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ نوجوان خاصا معقول اور مہذب نظر آرہا تھا' لیکن نمناں نے پہلے اسے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ گارڈ اسے اندر لے جانے میں متامل نظر آرہا تھا۔ ملک ارسلان کی طرف سے کسی اجنبی کے لیے ملک محل کا گیٹ کھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے گارڈ پس و پیش کر رہا تھا پر وہ نوجوان بار بار بے تکلفی سے زیان کا نام لے رہا تھا' یہ بات نمناں کو چونکانے کا باعث بن رہی تھی۔

ملک ایبک تو صبح سویرے ہی شہر کے لیے نکل چکا تھا' ورنہ وہ اس نووارد کو ملک ایبک سے ملنے کا مشورہ دیتی' وہ زیان کا شوہر اس کے جملہ حقوق کا مالک تھا ایک اجنبی نوجوان کے منہ سے زیان کا نام سن کر جانے وہ کیا محسوس کرتا۔

"ملک صاحب کی طرف سے کسی اجنبی کو حویلی میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔" گارڈ کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

"زیان میری خالہ کی بیٹی ہے میری منگیتر ہے۔ آخر مجھے سمجھ نہیں آرہا ہے کہ کیوں مجھے ملنے سے روکا جا رہا ہے۔" نووارد جو کہ وہاب کے سوا کوئی بھی نہیں تھا جھنجلا سا گیا۔

"خدا بخش گیٹ کھولو میں خود ان کو اندر لے جاتی ہوں۔" وہ یکدم اضطراری انداز میں بولی۔

"لیکن ملک صاحب ناراض تو نہیں ہوں گے۔" گارڈ ابھی تک تذبذب میں تھا۔

"نہیں ناراض ہوتے' میں خود اس کی ذمہ داری لیتی ہوں۔" نمناں نے وہاب کی طرف اشارہ کیا تھا' ناچار اس نے گیٹ کھول کر وہاب کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہاب ادھر ادھر دیکھتا دل ہی دل میں خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ ملک محل کی شان و شوکت کا رعب اس پہ طاری ہو چکا تھا۔

"زیان کی تو شادی ہو چکی ہے ملک ایبک کے ساتھ اس حویلی کے مالک کے ساتھ۔" نمناں نے انکشاف کرتے ہوئے بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھے۔ وہ ایک دم یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مارا ہو۔

"یہ کیسے ممکن ہے' ہو ہی نہیں سکتا میں اور زیان ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں وہ بھلا کسی اور سے کیسے شادی کر سکتی ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بول رہا تھا۔ اس دوران وہ دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ نمناں اسے بٹھانے کے بعد عنیزہ بیگم کو اطلاع کرنے چلی گئی۔

وہاب ڈرائنگ روم میں سجے قیمتی فرنیچر کا جائزہ لینے میں مصروف تھا، جب عنیزہ اندر داخل ہوئیں۔ وہاب انہیں دیکھتے ہی بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ موسم کے لحاظ سے اسکن کلر کے سوتی کپڑوں میں ملبوس چادر لیے وہ بے انتہا بارعب اور خوب صورت نظر آرہی تھیں۔ ان کے نقوش میں نمایاں طور پہ ذیان کی جھلک موجود تھی۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نیناں صوفے کے پیچھے کھڑی باری باری ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم اور کس لیے یہاں آئے ہو؟" ان کی شخصیت کی طرح آواز میں بھی عجیب سا وقار اور نرمی تھی۔ "میرا نام وہاب ہے ذیان سے ملنے آیا ہوں۔" وہاب نے اعتماد کی کمزور پڑتی ڈور کو مضبوطی سے تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ عنیزہ کے ماتھے پہ ناگواری کی شکنیں ظاہر ہوئیں جیسے انہیں اس کے منہ سے ذیان کا نام سننا اچھا نہ لگا ہو۔

"تم ہو کون کیا رشتہ ہے تمہارا زیان سے؟"

"زیان میری خالہ زرینہ امیر علی کی بیٹی ہے' میری منگیتر ہے' پچھلے چند ماہ سے میں زیان کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا ہوں۔ خالہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں اور زیان بھی۔ اس لیے مجھے بتائے بغیر یہاں آپ کے پاس چلی آئی ہے۔ آپ مجھے اس سے ملوا دیں میں بہت پریشان ہوں۔" وہاب کے لہجہ میں پریشانی اور اعتماد تھا۔ عنیزہ الجھی نگاہوں سے اسے تکنے لگیں۔

بوا رحمت نے ہی صغریٰ اور نواز کی معرفت ان سے رابطہ کیا تھا۔ پھر عنیزہ کی خود بوا رحمت سے بات ہوئی انہوں نے امیر علی کے انتقال اور زیان کی مشکلات کے حوالے سے کھل کر بات کی تھی۔ زیان کو فوراً" یہاں سے لے جانے کی درخواست کی تھی اور اب یہ وہاب جانے کیوں اس کی پرسکون زندگی میں ہلچل مچانے آیا تھا۔ عنیزہ کی سوچ تیزی سے کام کر رہی تھی۔

اس دوران انہیں نمناں کی یہاں موجودگی کا دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ وہ تجسس آمیز دلچسپی سے وہاب کی سب باتیں سن رہی تھی۔

"زیان کی شادی ہو گئی ہے اور بوا مجھے سب حالات سے آگاہ کر چکی ہیں۔ میں بہت نرمی سے بات کر رہی ہوں۔ عزت سے واپس چلے جاؤ اور آئندہ تمہاری زبان پہ میری بیٹی کا نام نہیں آنا چاہیے۔"

"یہ کہتے ہی عنیزہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ صد شکر اس وقت حویلی میں ملک جہانگیر' ملک ارسلان یا ملک ایبک میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں تھا۔

عنیزہ دروازے کی طرف مڑیں' نمناں کو وہاں دیکھ کر انہیں پہلی بار اس پہ غصہ آیا مگر وہ مصلحتاً" پی گئیں۔

"انہیں باہر کا راستہ دکھاؤ۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولتیں ڈرائنگ روم میں سے باہر نکل گئیں۔

نمناں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ گیٹ تک پہنچتے پہنچتے اس میں اور وہاب میں بہت سی معلومات کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ خاص طور پہ یہ معلومات نمناں کے لیے بہت مفید تھیں۔

☼ ☼ ☼

گھر لوٹتے ہی ملک ارسلان کو کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہوا۔ کیونکہ عنیزہ کے چہرے پہ بے پناہ پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہوئی ہے میرے پیچھے۔ میں تمہیں اچھا خاصا چھوڑ کر گیا تھا صبح۔"

"واقعی میں بے حد پریشان ہوں آج وہاب آیا تھا زیان سے ملنے۔" وہ دونوں ہاتھ مسل رہی تھیں۔

"کون وہاب؟" فوری طور پہ ملک ارسلان کو یادداشت کا خانہ کھنگالنے کے باوجود بھی وہاب نامی شخص یاد نہ آسکا۔

"آپ کو سب بتایا تھا تو میں نے' جب زیان کو آپ خود جا کر لائے تھے۔ بوا رحمت نے مجھے وہاں کے سب حالات بتائے تھے صغریٰ اور نواز آکر ہم سے ملے تھے آپ کو یاد نہیں ہے؟" وہ اچنبھے سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ارسلان کو فوری طور پہ سب یاد آگیا۔

"میری بیٹی پہلے ہی ان کے ہاتھوں دکھی ہے اب وہ یہاں بھی پہنچ گیا ہے۔ جہانگیر بھائی اور ایبک کو زیان کے گزشتہ معاملات پتا نہیں ہیں اس لیے مجھے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے وہاب کو فوراً" یہاں سے چلتا کیا ہے اگر اس کی ملاقات میری جگہ جہانگیر بھائی' افشاں بھابھی یا ایبک سے ہو جاتی تو کیا ہوتا۔۔!! وہ کیا سوچتے زیان کے بارے میں۔ کیونکہ وہ اس کے ماضی سے آگاہ نہیں ہیں اس کی مشکلات کا انہیں اندازہ نہیں ہے جو اپنے سگے باپ کے پاس رہتے ہوئے اس نے برداشت کی ہیں۔ میں پہلے ہی کرائسس میں ہوں ملک صاحب۔ زیان کا علاج کر رہے ہیں جلالی بابا۔ اس مرحلے پہ وہاب والی بات کھلتی ہے تو سوچیں کیا ہو گا۔" عنیزہ رو دینے کو تھیں۔

"سب سے پہلے تم یہ غلط فہمی دور کر لو کہ زیان صرف تمہاری بیٹی ہے۔ وہ اب ہماری بیٹی ہے۔ تمہیں کتنی بار کہا ہے خود کو مجھ سے الگ مت کیا کرو' نہ سمجھا

کرو۔ ہمارے دکھ سکھ ایک ہیں' خوشیاں سانجھی ہیں۔ رہی بات زیان کی تو میں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اپنی بیٹی پہ تم پہ پورا یقین ہے۔"

"زیان بوا رحمت سے بہت اٹیچ ہے اور دل ہی دل میں کافی پریشان بھی ہے' وہ شادی میں بھی تو شریک نہیں ہوئی ہیں۔ آپ بوا رحمت کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ یہ آپ کا میری ذات پہ ایک اور احسان ہوگا۔ کیونکہ بوا کے مجھ پہ بہت احسانات ہیں۔ میں ان احسانات کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔" وہ لجاجت سے گویا ہوئیں۔

"بیگم صاحبہ جو آپ کا حکم۔ بندہ انکار کی جرات نہیں کر سکتا۔" وہ انہیں ٹینشن سے نکالنے کے لیے قصداً" ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔ وہ اس میں کامیاب رہے۔ کیونکہ عنیزہ مسکرا رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

وہاب ثمنال کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ نمنال انڈسٹریل ہوم میں تھی۔ "ملک محل" میں تو وہاب سے ملاقات کرنا مشکل تھا۔ اس لیے اس نے وہاب کو یہاں بلوایا تھا۔ وہ جس طرح مایوس و ناکام ہو کر ملک محل سے نکلا تھا' اس کے بعد نمنال سے ملاقات اس کے لیے امیدوں کا مرکز ثابت ہوئی تھی۔ نمنال اسے کرید کرید کر زیان' امیر علی' زرینہ بیگم اور اس کے بارے میں سوال کر رہی تھی۔ وہاب نے بڑی تفصیل سے زیان کی گزشتہ زندگی کے ابواب ایک ایک کر کے اس کے سامنے کھولے تھے۔ نمنال کو زیان کے بارے میں کار آمد معلومات حاصل ہوئی تھی۔ وہاب سے ملاقات خاصی سود مند ثابت ہوئی تھی۔

"زیان اور میں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں۔ میری خالہ نے ہمارے بیچ غلط فہمیوں کی دیوار کھڑی کی ہے۔ ایک سازش کے تحت' خالہ نے زیان کو یہاں بھیجا ہے۔ اس کے بعد بوا رحمت کے ساتھ خود بھی روپوش ہو گئی ہیں۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔ زیان کو جب یہاں بھیجا گیا تو تب ہماری شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

یہ انصاف نہیں ہے میری منگیتر کی شادی زبردستی میرے علم میں لائے بغیر کی گئی۔ میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ امیر خالو کی مرضی سے سب کچھ ہوا تھا۔ دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی ہم دونوں کی۔" وہاب نے پوری طرح نمنال کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔

"میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گی۔ پر اس کے لیے تمہیں میری ہدایات پہ عمل کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ زیان کو حاصل کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" وہ جوش سے بولا۔

"اب تم جاؤ کل اس وقت ہم یہاں سے شہر کے لیے روانہ ہوں گے۔ ہم دونوں بہتر طور پہ ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔ تمہیں زیان اور میرا ایک مجھے مل جائے گا۔" آخری جملہ نمنال نے دل میں کہا۔

وہاب نے تو اس کی ساری پرابلمز ہی حل کر دی تھیں۔ ورنہ ایک کا حصول اسے دنیا کا ناممکن ترین کام لگ رہا تھا۔ اندرونی ہیجان اور اضطراب سے اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ جانے سے پہلے اسے ایک کو کال کرنی تھی۔ آخر کو اسے وہاب کی آمد کی اطلاع دینی تھی۔ اس کے بعد ملک محل میں رکنا بے کار تھا۔ اسے اب ایک نئے نام اور نئے چہرے کے ساتھ ملک ایک سے ملنا تھا۔ نمنال نامی شخصیت کے ساتھ وہ ایک کو حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا حصول دشوار تھا۔ ہاں رنم کو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ رنم جو خوب صورت دلکش و حسین تھی۔ دولت مند تھی۔ اسے کوئی کافر ہی انکار کر سکتا تھا۔ اسے اب واپس احمد سیال کے پاس جانا تھا۔ اسے دوبارا اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے اسے یقیناً" معاف کر دینا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ نمنال کے لبادے اور چہرے سے ویسے بھی تنگ آ چکی تھی۔ اسے اب نئی شخصیت کے ساتھ ملک محل میں دھوم دھام سے واپس آنا تھا۔ بس رنم کے چہرے کے ساتھ پھر سے ایک کی زندگی میں زوردار انٹری دینی تھی۔ وہاب ملک

محل سے نکل کر اس کے ساتھ ہی یہاں تک آیا تھا۔ اب کل اسے یہاں سے وہاب کے ساتھ ہی روانہ ہونا تھا وہ بہت خوش تھی۔

☆ ☆ ☆

جلالی بابا زیان کے علاج کے لیے کامیابی سے چلہ کاٹ رہے تھے۔ ایبک کے جانے کے بعد سے لے کر اب تک زیان بالکل ٹھیک رہی تھی۔

جلالی بابا کے ٹرانس میں آکر عنیزہ بیگم نے گھریلو باتیں بھی انہیں بتادی تھیں۔ اپنی امیر علی سے شادی کا احوال' زیان کی پیدائش' امیر علی سے علیحدگی' جوان ہونے کے بعد زیان کی خود سے نفرت سب کچھ ہی تو جلالی بابا کے علم میں آچکا تھا۔ جلالی بابا نفسیات انسانی کے ماہر تھے۔

زیان تو سونے کا انڈا دینے والی مرغی ثابت ہوئی تھی۔ چلے کے دوران انہوں نے عنیزہ بیگم کے ساتھ ساتھ افشاں بیگم سے بھی خوب مال پانی بٹورا تھا۔ محل میں آنے کی راہ ہموار ہوئی تھی۔ حالانکہ گھر کے تینوں مردوں کو جلالی بابا کے طریقہ علاج سے اختلاف تھا۔

ملک جہانگیر اور ملک ارسلان دونوں بھائی اپنی اپنی بیویوں کی وجہ سے خاموش تھے اور ملک ایبک افشاں بیگم کی وجہ سے چپ تھا۔ ورنہ اس نے جب رات کو زیان کو جلالی بابا کے کمرے میں دیکھا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ مار مار کر بابا کا حلیہ ہی بگاڑ دے۔ بھلا زیان کو تنہائی میں آدھی رات کو بلا کر کون سا علاج ہوتا تھا۔ اس کی حساس حس شامہ نے جلالی بابا کے کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک مخصوص بو فوراً" محسوس کی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ہی خفیف سی تھی لیکن اس نے جان لیا تھا کہ یہ شراب کی بو ہے۔ جلالی بابا نے قالین کے اس حصے پہ جہاں بوتل ٹوٹی تھی وہاں انگیٹھی کے انگارے پھینکے تھے تاکہ کسی کو شک نہ ہو لیکن اس احتیاط کے باوجود بھی ایبک کو معلوم ہو گیا تھا۔ تب ہی تو اسے شدید غصہ آیا تھا۔ جلالی بابا کی گھبراہٹ اور خوف وہراس اس نے کمرے میں قدم رکھتے کے ساتھ ہی محسوس کیا تھا بعد

ازاں زیان کے جن کی وجہ سے بابا کو خود کو سنبھالنے کا موقعہ مل گیا۔ ایبک زیان کی طرف سے بے خبر نہیں تھا اس نے حویلی میں کام کرنے والے اپنے ایک اعتماد کے بندے کی ڈیوٹی لگائی۔

ایبک کا یہ ملازم انور بہت سمجھدار تھا۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر جلالی بابا کی سرگرمیوں کی نگرانی کررہا تھا۔ اگر جلالی بابا زیان کو دوبارا تنہائی میں طلب کرتا تو اس موقعہ پہ اسے لازمی اپنی موجودگی ثابت کرنی تھی ایک طرح سے وہ زیان کی حفاظت کررہا تھا۔

ایبک نے اپنے ایک پولیس ڈپارٹمنٹ میں موجود قریبی دوست کو عامل جلالی بابا کے بارے میں تفصیلات مہیا کردی تھیں اب باقی کام اس کا تھا' بہت جلد اس کے ہاتھ جلالی بابا کی موٹی چربیلی گردن کو ناپنے والے تھے۔

☆ ☆ ☆

عامل جلالی بابا زیان کے علاج کے آخری مرحلے میں تھے۔ اس نے شکر ادا کیا تھا کہ بابا جی نے پھر اسے اکیلے اپنی خلوت میں طلب نہیں کیا۔ اس رات زیان نے بابا جی کی آنکھوں میں ناچتی ہوس فوراً" محسوس کرلی تھی۔ بابا جی نے جو مشروب اسے پینے کے لیے دیا تھا وہ اس نے پھینک دیا تھا' بوتل ٹوٹ گئی تھی۔ بابا جی کی نگاہوں کا سحر اسے بے بس کرتا جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا ذہن عامل جلالی بابا کے قبضے میں جارہا ہے کیونکہ وہ پلک جھپکائے بغیر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ انہوں نے اس کی چال اس پہ آزمانے کی سعی لاحاصل کی تھی۔ زیان کچھ دیر اور ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہتی تو وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوچکے ہوتے۔ وہ ویسے بھی انسانی نفسیات اور کمزوریوں سے پوری طرح واقف تھے پہلی بار ہی بھانپ گئے تھے کہ زیان ڈرامہ کررہی ہے۔

زیان نے وہ بوتل کیا توڑی گویا بابا جی کا ٹرانس توڑ دیا جس نے اس کے ذہن کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ بابا جی کے گال پہ لگنے والا تھپڑ اس بات کا ثبوت تھا کہ

وہ مکمل طور پر ٹرانس سے باہر آچکی ہے۔ اس کی عزت جلالی بابا جیسے لٹیرے سے بچ گئی تھی۔ جلالی بابا نے اس کی عقل کی آنکھیں کھول دی تھی۔ تب ہی تو اس رات ایبک کے سامنا ہونے کے بعد سے اس پہ آتم توش نہیں آیا تھا۔ اس نے آخری بار ملک ایبک کو اپنا رنگ دکھایا تھا۔ عنیزہ بے پناہ خوش تھیں عامل جلالی بابا واقعی بہت پہنچے ہوئے تھے۔ زیان کے جن کو قابو کرلیا تھا۔ وہ اب نارمل طریقے سے معاملات زندگی میں حصہ لے رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

نمناں ملک محل سے غائب ہوگئی تھی۔ اس کے کمرے سے اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا پرچہ ملا تھا۔ اس نے بغیر کسی القاب و آداب کے بطور خاص کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر لکھا تھا۔

"میں اپنی مرضی سے ملک محل چھوڑ کر جارہی ہوں۔ میں اپنی زندگی اور حالات سے تنگ آچکی ہوں۔ مجھے اب مزید جینے کی تمنا نہیں ہے۔ میں اپنے ہاتھوں زندگی کا خاتمہ کروں گی۔ میں گمنام موت مرنا چاہتی ہوں اس لیے برائے مہربانی مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ کوشش بے کار ثابت ہوگی میں یہاں سے نکل کر پہلی فرصت میں اپنی زندگی ختم کروں گی۔"

فقط بدنصیب نمناں۔

خط پڑھ کر عنیزہ کا تو جو حال ہوا سو ہوا زیان بھی پریشان ہوگیا۔ افشاں بیگم بھی روہانسی ہورہی تھیں۔ ملک ارسلان اور ملک جہانگیر نے اسے قریب کے علاقوں میں تلاش کروانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ جس طرح ایک دن اچانک ملک محل میں آئی تھی اس طرح اچانک غائب بھی ہوگئی تھی۔ اس کا کوئی اتا پتا کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس کی اصل حقیقت اس کی محسن عنیزہ تک کو معلوم نہ تھی جو اسے ہوٹل سے بچا کر اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ملک محل میں کافی دن نمناں کے جانے کے بعد سوگواری چھائی رہی۔ عنیزہ تو پورا دن ٹی وی دیکھتیں اخبار پڑھتیں کہ شاید کہیں سے نمناں کی خبر مل جائے۔

✡ ✡ ✡

احمد سیال کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ یقین تو رنم کو بھی اپنی آنکھوں پہ نہیں آرہا تھا۔ احمد سیال زندہ سلامت اس کے سامنے موجود تھے اور وہ اپنے گھر میں تھی۔ وہ بھاگ کر پوری شدت سے ان سے لپٹی تھی۔ منظر تو پہلے ہی اس کی آنکھوں میں دھندلا رہا تھا اب یہاں سے گلے مل کر آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔ اتنے ماہ کی دوری سخت زندگی اور اپنی ضد کے منفی نتائج نے اس کے سب کس بل نکال دیئے تھے۔ وہ پاپا سے بے حد شرمندہ تھی ان سے نگاہیں تک نہ ملا پارہی تھی۔ وہ اسے لپٹائے اس کا ماتھا ہاتھ' بال' بار بار چومتے اس کے ہونے کا یقین کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ واقعی ان کی لاڈلی رنم تھی ان کا جگر گوشہ' وہ تو تقریباً" مایوس ہی ہوچکے تھے۔ اب ان پہ شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ اتنے سارے دنوں کا احوال پل بھر میں معلوم کرلینا چاہ رہے تھے۔

"پاپا میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی پہلے اپنا گھر تو دیکھ لوں۔ میں نے اپنا گھر بہت مس کیا ہے۔" وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سمیت مسکرائی۔ احمد سیال بھی مسکرا رہے تھے۔

"آؤ میں تمہیں گھر دکھاتا ہوں۔ تمہارے بغیر تو میں جیسے مردہ ہوگیا تھا۔" احمد سیال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ چپہ چپہ گوشہ گوشہ دیکھ رہی تھی۔ خوش ہورہی تھی۔ نمناں بن کر اس نے جو زندگی گزاری تھی وہ بہت قابل رحم اور مشکل تھی۔ وہ سوچ رہی تھی جیسی زندگی اس نے گزاری ہے ویسی زندگی گزارنا وہ بھی نمناں بن کر بہت مشکل ہے۔ جبکہ احمد سیال کی بیٹی کی حیثیت سے اس نے سپر لگژری لائف انجوائے کی تھی' وہ اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ ملک محل میں نمناں کی حیثیت سے اس نے اچھی طرح جان لیا تھا۔

پاپا اس کی باتوں میں آکر کسی کے ساتھ اس کی شادی کر بھی دیتے تو یقیناً" اس کا انجام حسرت ناک ہوتا۔ یعنی وہ صرف اس کی سوچ تھی بچکانہ سوچ کہ وہ پاپا سے شادی کے بعد کچھ بھی نہیں لے گی۔ اب سوچتی تو جھرجھری آتی۔ سہولیات اور اختیار کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ اور اختیار دولت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ ملک محل میں خادمہ کی زندگی نہ گزارتی۔ اب وہ بھی ملک محل کے مکینوں کی ہم پلہ ہوگئی تھی۔

احمد سیال کو اس نے حرف بہ حرف سب داستان کہہ سنائی تھی۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنے ماہ وہ ملک جہانگیر کی حویلی میں رہی اور انہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ کاش دوست کی دعوت پہ وہ ایبک کی شادی میں چلے جاتے۔ معاذ کے پاکستان آنے پہ چلے جاتے تو انہیں اتنی اذیت نہ اٹھانا پڑتی۔ رنم ان کے اتنے پاس رہ کر بھی دور رہی تھی۔ وہ انہیں گزرے دنوں کا حسرت ناک احوال سنارہی تھی۔

"پاپا آپ کی بیٹی نے وہاں خادمہ کی سی زندگی بسر کی ہے۔ ایک آواز پہ بھاگ بھاگ کے کام کیے ہیں۔ ملازموں کی نگرانی کی ہے دیکھ بھال کی ہے۔ پاپا وہ ایک خواب تھا بھیانک خواب۔ میں یہ خواب پھر کبھی نہیں دیکھنا چاہوں گی۔ پاپا یہاں ہمارے گھر میں اتنے ملازم ہیں جبکہ وہاں میں خود نوکرانی تھی۔ پاپا یہاں میں پانی مانگ کر پیتی تھی جبکہ وہاں۔۔۔" رندھی ہوئی آواز کی وجہ سے اس سے بات بھی مکمل نہ کی گئی۔ احمد سیال نے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔ ان کا اپنا دل شدت غم سے پھٹا جارہا تھا۔

"میرے بچے ملک جہانگیر نے تمہارا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے ہی تو مانگا تھا۔ میں تمہیں عزت سے دھوم دھام سے رخصت کرکے ملک محل میں بھیجنا چاہ رہا تھا جبکہ تم ضد میں آکر غلط طریقے سے وہاں پہنچی۔ ملک ایبک نے کسی بھی قسم کا جہیز نہیں لیا تھا ہم یہی چاہتی تھی ناں کہ تمہیں صرف تمہارے حوالے سے قبول کیا جائے۔ تم ایک بار میری بات مان لیتیں تو ایک مضبوط حوالہ لے کر ملک محل میں جاتیں۔ مگر تم نہناں بن کر گھر سے اپنی ضد کی خاطر نکلیں اور سب کچھ گنوادیا۔" احمد سیال جیسا مرد بیٹی کا دکھ سہہ نہیں پایا تھا۔ وہ رو رہے تھے۔ رنم بھی تو رو رہی تھی۔ اس کے دل کو جیسے کوئی سینے میں مسل رہا تھا۔ زیان کی جگہ وہ بھی تو ہوسکتی تھی ملک ایبک نے زیان کو ایسے ہی تو قبول کیا تھا۔ وہ بیوی جیسا مضبوط اور باعزت حوالہ لے کر اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اور رنم نے پاکر بھی سب کچھ گنوادیا تھا۔ دونوں باپ بیٹی اپنے نقصان پہ رو رہے تھے۔

بہت دن بعد رنم اپنے بیڈ روم میں اپنے بیڈ پہ تھی۔ اس کا جہازی سائز بیڈ، پردے کارپٹ ڈیکوریشن پیس کھڑکی سے باہر دکھائی دینے والے سرسبز مناظر۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ حتیٰ کہ اپنا سیل فون جو گھر سے جاتے وقت وہ آف کر گئی تھی ویسا ہی پڑا تھا۔ اس نے عنیزہ بیگم کا دیا ہوا سیل فون بیگ سے نکالا۔ سیل فون ہاتھ میں لیتے ہی اس کے لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ آگئی۔ اس میں ایبک، وہاب، زیان، عنیزہ اور دیگر ملک محل کے مکینوں کے فون نمبر تھے۔ ورنہ وہ یہ کبھی بھی اپنے ساتھ نہ لاتی۔ احمد سیال کی بیٹی کا ذوق ایسا غریبانہ اور تھرڈ کلاس تو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس نے نمبر ڈائری میں نوٹ کرکے سیل فون کمرے میں پڑے آرائشی ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ اسے اب اس گھٹیا کم قیمت فون کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اپنے بیڈ روم میں بیڈ پہ لیٹتے ہی اسے چین آگیا۔ کل تک وہ ملک محل میں تھی سرونٹ کوارٹرز کے ایک کمرے میں زندگی بسر کررہی تھی۔ اب وہ اپنے اصل ٹھکانے پہ لوٹ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ زیان کو لے کر افشاں بیگم کے پاس آئی تھیں۔ زیان نے اتنے ہفتے بعد سسرال میں قدم رکھا تھا وہ بھی بالکل تندرست و توانا ہو کر، وہ آتم توش کی قید

سے آزاد ہو چکی تھی۔ ان کے لیے یہ خوشی، بہت بڑی تھی۔ انہوں نے شکرانے کے نوافل ادا کر کے بہو کی نظر اتاری اور صدقے کے بکرے ذبح کروائے۔ زیان بھی سنوری بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے رب کا شکر ادا کیا تھا۔

زیان سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھی۔ گھر واپس آتے ساتھ ہی اس نے اپنے اور ایبک کے مشترکہ بیڈ روم کی سیٹنگ تبدیل کروائی۔ اپنے سارے کپڑے الماری میں رکھے۔ زیر لب گنگناتے ہوئے وہ بے حد مسرور تھی۔

افشاں بیگم نے گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا۔ یہ وہی پہلے والی زیان تھی جسے انہوں نے ایبک کے لیے پسند کیا تھا۔ آتم توش اس کے اور ایبک کے درمیان سے ہٹ چکا تھا۔ دو دن بعد عنیزہ، ملک ارسلان، ملک جہانگیر اور افشاں بیگم کو دوسرے شہر ایک شادی میں جانا تھا۔ انہیں تین چار دن وہاں قیام بھی کرنا تھا۔ پہلے افشاں بیگم تذبذب میں تھیں جائیں کہ نہ جائیں۔ اب زیان ہنسی خوشی اپنے گھر واپس آچکی تھی تو انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ ان کے جاتے ہی ایبک نے آجانا تھا اس لیے زیان کو ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے اصرار نہیں کیا۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر، ملک ارسلان، افشاں بیگم اور عنیزہ کے ہمراہ تیار ہو کر ملک محل سے جا چکے تھے۔ ملک ارسلان نے اپنے جانے کی اطلاع ملک ایبک کو کر دی تھی۔ اس نے یقین دہانی کروائی تھی کہ رات سے پہلے پہلے گھر زیان کے پاس پہنچ جائے گا۔

ملک ایبک اس پل "اس دن "اس ساعت کے انتظار میں تھا۔ زیان سے دو دو ہاتھ کرنے کا ٹائم آگیا تھا۔ سب کے سامنے ایبک کو دیکھتے ہی اس کا جن جلال میں آجاتا تھا۔ دوروں میں بھی جان اور شدت بڑھ جاتی۔ وہ زیان کو سب کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن آج اکیلے میں یہ کام اس نے آسانی سے انجام دے لینا تھا۔ قدرت نے یہ موقعہ بن مانگے فراہم کر دیا تھا۔ اس موقعے سے فائدہ نہ اٹھانا کفران نعمت کے زمرے میں آتا۔ وہ جلد از جلد ملک محل پہنچنا چاہ رہا تھا۔

آنے سے پہلے اس نے اپنے ہوشیار ملازم انور کو فون کر کے کہا کہ آج رات سب ملازمین کو کسی بہانے رہائشی عمارت سے دور رکھے۔ انور بہت تیز تھا اس نے اسی وقت سوچ لیا کہ یہ کام کس طرح کرنا ہے۔ اس نے بیٹے کا عقیقہ کرنا تھا۔ ملک ارسلان اور ملک جہانگیر خود اس کے گھر جا کر نومولود کو تحفے تحائف دے آئے تھے آج شام کو اس نے خود بھی گاؤں جانا تھا۔ ملک ایبک کی کال آنے سے پہلے وہ چھوٹی بی بی زیان کے پاس اجازت لینے ہی جا رہا تھا۔ اب کال آنے کے بعد اس نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی ترمیم کر لی تھی۔ ملک محل میں کام کرنے والے سب ملازمین کو اس نے اپنے گھر ہونے والی دعوت میں شرکت کی دعوت دی انور کی سب کے ساتھ بہت بنتی تھی۔ اس لیے جب زیان سے اس نے بات کی تو اس نے بخوشی سب ملازمین کو دعوت میں شرکت کے لیے چھٹی دے دی۔ ایک رات ہی کی تو بات تھی۔

گیٹ پہ دو دو گارڈ تھے، خود عنیزہ کی طرف زیبو اور فریدہ تھیں جو گھر کی حفاظت کے نقطہ کے نظر سے انور کی دی جانے والی دعوت میں شریک نہیں ہوئیں۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کر اور بیڈ روم میں آگئی تھی۔ زیبو اور فریدہ نے اسے پیش کش کی تھی وہاں اس کے ساتھ رکنے کی مگر اس نے انکار کر دیا کیونکہ گیٹ پہ چاق و چوبند گارڈ موجود تھے۔ فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔

رات دس بجے کا وقت تھا جب ملک محل کے گیٹ کے سامنے ملک ایبک کی گری پجیرو رکی۔ گیٹ پہ موجود گارڈز نے اسے دیکھ کر زوردار سلام جھاڑا۔ گھر کا مالک آگیا تھا اب وہ دونوں مطمئن تھے۔ ملک ایبک نے گیٹ سے ہی ڈرائیور کو پجیرو سمیت ڈیرے کی طرف روانہ کر دیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ رہائشی

اندرونی عمارت میں داخل ہوا۔ اس کی چال میں ہمیشہ کی طرح وقار اور اعتماد تھا۔ سب اندرونی لائٹیں آن تھیں۔

دوسری منزل بھی روشن تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر اپنے بیڈروم کی طرف دیکھا۔ کھڑکیوں پہ پردے گرے ہوئے تھے۔ خوش آئند بات یہ تھی کہ اس کے بیڈروم کا دروازہ ہلکا سا بھڑا ہوا تھا زیان نے ابھی تک لاک نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی تک اندر نہیں گیا تھا۔ اس لیے زیان کی سرگرمیوں سے لاعلم ہی تھا۔

☆ ☆ ☆
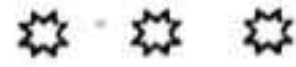
ایبک نے بہت آرام سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھولا۔ کمرے میں خوشگوار حرارت پھیلی ہوئی تھی باہر کے مقابلے میں اندر کا درجہ حرارت معتدل تھا۔ زیان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لیپ ٹاپ گود میں رکھے مصروف عمل تھی۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز بے تکلف آرام دہ حلیے میں تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس وقت ایبک آسکتا ہے۔ اس نے قدم بڑھائے اور اپنے پیچھے ہاتھ مار کر دروازہ بند کیا۔ آہٹ اور دروازہ بند ہونے کی آواز پہ زیان نے نگاہیں اٹھائیں۔

ملک ایبک مضبوط پر اعتماد قدموں سے چلتا اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ بے انتہا خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اچانک اس طرح وہ اس کے سامنے ہوگا۔ وہ چیخ مارنا چاہتی تھی پر اسے دیر ہوگئی تھی۔ ایبک اس کے منہ پہ اپنا مضبوط ہاتھ رکھ چکا تھا۔ ایبک کا ایک ہاتھ بازو سمیت اس کے کندھے کے گرد لپٹا ہوا تھا اور دوسرا مضبوط ڈھکن کی مانند اس کے منہ پر جما تھا۔ نہ وہ بھاگ سکتی تھی نہ منہ سے آواز نکال سکتی تھی۔ غنیمت تھا کہ وہ ناک سے سانس لے رہی تھی ایبک کی مضبوط گرفت میں اس کا دم گھٹ رہا تھا اس کا نازک وجود گویا چرمرا کر رہ گیا تھا۔

شاید ایبک اسے مارنے آیا تھا۔ خوف کسمپرسی و بے چارگی درماندگی نے اس کی حالت قابل رحم بنادی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ سکی تھی یقیناً" سب اس سازش میں شریک تھے تب ہی تو اسے گھر میں اکیلا چھوڑا گیا تھا تاکہ ملک ایبک کو اپنے منصوبے پہ عمل کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"بعد میں جتنا مرضی چاہے چیخ لینا ڈرامہ بازی کرلینا ابھی مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" ایبک اس کے کانوں کے قریب اپنے ہونٹ لا کر بولا۔ اس کی آواز اور الفاظ میں شدید قسم کا غصہ تھا۔ اسے یقین تھا اب وہ شور نہیں کرے گی کیونکہ ملک ایبک کے الفاظ اور تاثرات نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اب اداکاری سے کام نہیں چلے گا وہ اس کی ڈرامہ بازی سے واقف تھا۔ ایبک نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا تھا وہ اب اس سے دور بیٹھا تھا۔ اس کے بولنے کے انتظار میں تھا جو اب ہاتھ پاؤں چھوڑ کر مرے مرے انداز میں بیٹھی تھی جیسے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی معصوم لاچار اور قابل رحم دوسرا نہیں ہے۔ ایبک نے آج سے پہلے اسے تم کہہ کر کبھی بھی مخاطب نہیں کیا تھا آج اس کا ہر انداز بدلا ہوا تھا۔ یقینی طور پر وہ غیض و غضب میں بھرا ہوا آیا تھا۔

"میں وجہ جان سکتا ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا۔ کیوں ڈرامہ رچایا۔ ایسی کیا مشکل تھی جو تم نے ہم سب کو ذہنی عذاب میں ڈالا۔" وہ بڑی کوشش کے بعد اپنے لہجہ کو نارمل کرپایا تھا۔ جواباً" وہ خاموش رہی اس کا وہ حال تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ نگاہیں جھکی ہوئی۔ جیسے وہ اس کے بجائے دیواروں سے مخاطب ہو۔

"کچھ بھی کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ گھر میں اس وقت باہر گیٹ پہ موجود گارڈز کے علاوہ کوئی نہیں ہے میں نے سب کو چھٹی دے دی ہے۔ اور ویسے بھی تمہارے ڈرامے اور اداکاری سے متاثر ہونے والے یہاں نہیں ہیں۔" اس کا اشارہ افشاں بیگم اور ملک جہانگیر کی طرف تھا۔ زیان کٹ سی گئی۔

"اس لیے سچ بولنا اور کوئی الٹی حرکت مت کرنا۔"

ایک نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو اس نے ہراساں رحم طلب نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا۔ ایک کی نگاہوں میں ترحم یا ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

"شاباش بولو جلدی جو بھی ہے۔ میں نے سونا بھی ہے سخت تھکا ہوا ہوں۔" وہ جھنجلایا ہوا تھا۔

"میں نے سب کچھ مما اور آپ کی وجہ سے کیا۔" اس کے حلق سے مری مری آواز برآمد ہوئی۔

"گڈ آگے بولو۔" وہ اس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

"مما مجھے چھوڑ کر آگئی تھیں میں نے اپنی عمر کا وہ حصہ بہت کرب اور اذیت میں بسر کیا ہے۔ مجھے مما اور مما سے وابستہ ایک ایک شے' ایک ایک رشتے سے چڑ تھی جن میں آپ بھی شامل ہیں۔" اب کی بار صاف لگ رہا تھا کہ وہ رو پڑے گی۔

"گڈ اور بھی بتاؤ۔" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔

زیان بولتی چلی گئی' بے ربط ٹوٹے پھوٹے فقرے جس کا لب لباب یہی تھا کہ اس نے سب کچھ ماما اور ان کی تمام فیملی کو اذیت دینے کے لیے بدلہ لینے کے لیے انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر کیا ہے۔ اسے ملک محل کے سب افراد سے مما کی وجہ سے شدید چڑ ہے۔ ظاہر ہے ان میں ملک ایک بھی شامل تھا۔

زیان اپنا پول کھلنے پہ شرمندہ تھی۔ ویسے بھی عامل جلالی بابا کی اندرونی خباثت سے واقف ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جلدی اس ڈرامے کا ڈراپ سین کرے گی اور کوئی نیا طریقہ سوچے گی مگر یہ جان کر کہ ایک شروع دن سے ہی واقف تھا وہ اب اس سے نگاہیں تک نہ ملا پا رہی تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی شرمندگی سے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ زمین میں گھس جائے۔ ملک ایک کی پیشانی پہ لکیروں کا جال سا بنا ہوا تھا' وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔ وہ اسے انجان اور بے وقوف اور خود کو بہت بڑی چیز سمجھتی رہی' جو اپنی دانست میں سب کے جذبات سے کھیل کر انہیں بے وقوف بنا رہی تھی اور وہ خود انجانے میں نتائج سے لاپروا ہو کر اتنی بڑی بے وقوفی کر رہی تھی۔

ایک نے بہت دیر بعد سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ اپنی سوچوں کے حصار سے باہر آکر کسی نتیجے تک پہنچ چکا تھا۔

"زیان' آپ کو اب کوئی بھی ڈرامہ یا الٹی سیدھی حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے میری وجہ سے' میری فیملی سے چڑ اور نفرت کی وجہ سے یہ سب کیا۔ جس وجہ سے بھی آپ نے یہ سب کیا اب آپ اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ کو مجھ سے بھاگنے کے لیے یا فیملی کو اذیت دینے کے لیے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں اپنے سے وابستہ کسی بھی رشتے یا شخص کو اذیت میں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ پہلے بھی اپنی حماقت یا نفرت کی وجہ سے ہم سب کے جذبات سے کافی زیادہ کھیل چکی ہیں۔ میں آپ کو اور اس عمل کی اجازت نہیں دے سکتا۔

باقی' جہاں تک عنیزہ چچی سے نفرت کی بات ہے تو دلوں کے حال اللہ جانتا ہے' لیکن ہم نے شروع سے ہی انہیں اپنی بیٹی کی یاد میں روتے تڑپتے دیکھا۔ انہیں دکھی دیکھ کر ارسلان چچا بھی پریشان ہوتے یہی وجہ ہے کہ جب عنیزہ چچی نے آپ کے بارے میں بات کی تو وہ پوری خوشی اور آمادگی سے خود آپ کو لینے گئے۔

انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ چچی کی دل جوئی کرتے رہے کہ کچھ بھی ہو جائے زندگی میں ایک بار کسی طرح بھی سہی انہیں ان کی بیٹی سے ملا دیں گے۔ قدرت نے خود ہی آپ کو ملک محل میں پہنچا دیا۔ آپ کے آنے سے ہم سب نے سالوں بعد چچی کو خوش دیکھا' مسکراتے دیکھا۔ اس سے پہلے ایسے لگتا تھا جیسے وہ خوش نظر آنے کا ڈرامہ کرتی رہی ہیں۔ ارسلان چچا خوش ہوئے' انہوں نے بہت بار مجھے کہا کہ زیان مجھے اپنی اولاد کی طرح پیاری ہے اگر اللہ مجھے بیٹی دیتا تو وہ زیان جیسی ہوتی۔ یہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان سچے رشتوں کی قدر کیجیے۔ ماضی پہ کڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نرم دھیمے پھوار برساتے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ ایک ایک لفظ دل پہ اثر کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

"باقی میں اپنی اور اپنی فیملی کے حوالے سے کوئی وضاحت نہیں دے سکتا نہ دینا چاہتا ہوں اس لیے میری باتوں کو ذہن میں رکھیے گا۔"

زیان بہت کچھ کہنا چاہتی تھی پر اب اس کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ ایک اپنی بات پوری کر کے جس طرح آیا تھا اس طرح جاچکا تھا۔ وہ نڈھال سے انداز میں بیڈ پہ اوندھی ہو کر گر پڑی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی اپنی جیت پہ ہنسے' خوشی منائے یا اپنی ہار پہ سوگ منائے' ماتم کرے۔

☆ ☆ ☆

احمد سیال' بیٹی کی پاکستان واپسی پہ سب دوست احباب کو ڈنر پہ انوائیٹ کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کی گمشدگی کے دوران بہت کرائسس کو فیس کیا تھا' خاص طور پہ سب ایک ہی سوال کرتے تھے کہ رنم سیال اچانک کیوں باہر چلی گئی ہے جبکہ ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس کا۔ احمد سیال اس دعوت کے ذریعے سب کی تسلی کروانا چاہ رہے تھے۔

یہ آئیڈیا رنم کا تھا۔ وہ ملک ایک کی پوری فیملی سے ایک نئی حیثیت میں ملاقات کرنا چاہ رہی تھی۔ اس لیے احمد سیال نے جب ملک جہانگیر کو فیملی سمیت انوائیٹ کیا تو انہیں یہ جان کر از حد خوشی ہوئی کہ احمد کی بیٹی پاکستان واپس آئی ہے۔

رنم نے واپس آکر اپنی ایکٹو یٹیز میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے بیوٹی سیلون کا رخ کیا تھا۔ ملک محل میں رہتے رہتے اس کی اسکن' ہاتھ پاؤں کی نرمی اور بالوں کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔ اسے اپنا آپ پرانی کنڈیشن میں واپس لانا تھا۔ بیوٹی سیلون کے بعد اس نے مارکیٹیں اور شاپنگ مالز کا رخ کیا۔ بیوٹی سیلون میں صرف کیا گیا ٹائم اس کے لیے اچھے نتائج لایا۔ وہ پرانی رنم نظر آنے لگی تھی۔ بالوں کی کٹنگ کروا کر اس نے انہیں نئی لک دی تھی۔ یہ اسٹائل پہلے سے بھی زیادہ اس پہ سوٹ کر رہا تھا۔ اس کی نرم چمکدار جلد کی شادابی' گالوں کی سرخی' بالوں کا ریشمی ملائم پن' ہاتھوں پاؤں کی نرمی سب کچھ لوٹ آئی تھی۔

احمد سیال نے ملک جہانگیر کی فیملی کو انوائیٹ کر لیا تھا۔ ان کے بیٹے کی شادی ہو گئی تھی وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ آرہا تھا۔ رنم بے پناہ خوش تھی۔ پاپا نے اس کا ملک محل میں نمناں والا روپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں دفن کر دیا تھا۔ یہ حقیقت صرف وہی دونوں جانتے تھے کہ رنم اتنے ماہ کہاں اور کیسے رہی ہے۔ وہ دونوں ہی نمناں نامی باب کو کھولنا نہیں چاہتے تھے۔ احمد سیال کو بس اتنا پتا تھا کہ رنم پڑھنے کے لیے باہر گئی تھی لیکن وہاں پاپا کے بغیر اس کا دل نہیں لگا تو واپس آگئی۔ انہیں رنم سے بڑھ کر دنیا میں کچھ بھی عزیز نہیں تھا۔

اور رنم جانتی تھی دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑھ کر قابل اعتماد اور قابل بھروسا رشتہ صرف احمد سیال ہی کا ہے۔ رنم خوش تھی اور خوشی سے دعوت کی تیاری کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

زیان' ملک جہانگیر کے پاس بیٹھی انہیں ایک کتاب سے مختلف اقتباسات پڑھ کر سنا رہی تھی۔ افشاں بیگم زیان کو نثار ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں وہ اندرونی خوشی سے سرشار تھیں۔ اتنے دن سے زیان پہ جن نہیں آیا تھا اور نہ ہی دور دور تک کسی دورے کے آثار تھے۔ اس نے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا تھا۔ سب سے بڑھ کر اس کی گم صم کیفیت ختم ہو گئی تھی۔ وہ ہنستی بولتی پہلے والی زیان سے الگ ہی لگتی اور تو اور اب وہ نوکرانیوں سے بھی بات چیت کرنے لگی تھی۔

"بابا جان کیا ہو رہا ہے؟" ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ملک جہانگیر بستر پہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔" ملک جہانگیر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ پہلے سے کافی بہتر لگ رہے ہیں۔" ایک ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں بس اپنی آنکھوں کی وجہ سے پریشان ہوں ٹھیک طرح سے پڑھ ہی نہیں سکتا ذیان کے ذریعے اپنا شوق پورا کرتا ہوں۔" انہوں نے بہت محبت سے ذیان کی سمت دیکھا تھا۔

"میں آپ کو شہر لے جاؤں گا اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤں گا۔" ایبک نے انہیں تسلی دی۔

"اب ڈاکٹر کیا ٹھیک کریں گے مجھے۔ جب سے آنکھوں میں موتیا اترا ہے، یہ مسائل پیش آرہے ہیں۔ آپریشن کروانے کے باوجود بھی، کبھی کبھی تو سب کے چہرے ہی گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ رشتہ داروں کے علاوہ کسی کی شکل ہی نہیں پہچان پاتا میں۔ خیر بڑھاپے میں یہ سب تو چلتا ہی ہے، میں نے اسے جان کا روگ نہیں بنایا ہے۔ تمہاری شادی کی خوشی میں نے اپنے جیتے جی دیکھ لی ہے اب معاذ کی فکر ہے۔"

"بابا جان معاذ کا آخری سمسٹر ہے وہ جلد ہی آجائے گا۔" ایبک نے نرمی سے ان کے جھریوں بھرے ہاتھ کو تھپکا۔ ملک جہانگیر نے اپنے کڑیل جوان بیٹے کو بڑی محبت سے دیکھا۔

"تم نے ہمیشہ مجھے طاقت دی ہے اور ہاں احمد سیال کے ہاں دعوت پہ بھی جانا ہے۔ اس نے پورے گھر والوں کو بلایا ہے۔ اس کی بیٹی پاکستان واپس جو آگئی ہے۔" ملک جہانگیر نے ایک بار پھر یاددہانی کروائی۔

"ہاں بابا جان میں چلا جاؤں گا۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔

"تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ ذیان بھی ساتھ جائے گی اور واپسی پہ تم سیدھے گھر آؤ گے۔ میں نے تم دونوں کو شادی کے بعد ایک بار بھی اکٹھے ہنستے بولتے نہیں دیکھا ہے۔ اب ٹکو کچھ دن گھر میں۔" افشاں بیگم نے ٹوکا تو وہ ہنسنے لگا۔

ذیان نے نظر بچا کر اسے دیکھا۔ کھدر کے کرتے شلوار میں ملبوس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے وہ مغرور لگ رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ذیان کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

"امی جان آپ کی بہو پہ اگر جن آگیا تو میرا کیا بنے گا۔" ذیان کو اچھی طرح علم تھا وہ اس پہ طنز کر رہا ہے تب ہی تو اس پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

"چلو تم دونوں جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔" افشاں بیگم نے حاکمانہ انداز میں بول کر بات ختم کرنی چاہی۔ ایبک نے فوراً" سعادت مندی سے سر ہلایا۔ وہ ذیان سے پہلے اٹھ کر گیا۔

ذیان نے مرے مرے قدموں سے بیڈ روم کا رخ کیا۔ ایبک بیڈ کے بالکل کونے پہ لیٹا ہوا تھا۔ ذیان کو آتا دیکھ کر اس نے کروٹ بدل کر اس کی طرف پشت کر لی۔ ذیان کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ ٹوٹی کرچیوں کی چبھن ناقابل برداشت تھی۔ اس کی سسکیوں کی آواز فوراً" ایبک کے کانوں تک پہنچی تھی۔ وہ جو تکیہ منہ پہ لیے لیٹا ہوا تھا۔ تکیہ منہ سے ہٹا کر اس کی طرف آیا جھٹکے سے کمبل اس کے منہ سے سرکایا۔

"اب کیا پرابلم ہے سب کچھ آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے، میں آپ پہ کسی قسم کا کوئی شوہرانہ حق بھی نہیں جتا رہا ہوں جو آپ کو اس قسم کے ڈرامے کی ضرورت محسوس ہوئی۔" ایبک کا اشارہ اس کی لال آنکھوں کی طرف تھا۔ ذیان کو اس کی باتیں تیر کی طرح لگیں۔ اس کی باقی سسکیاں سینے میں ہی گھٹ گئیں۔

"میرے سر میں درد ہے اس لیے رونا آگیا تھا۔" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"تو کوئی پین کلر لے لیں یا میری موجودگی کی وجہ سے آپ کو پرابلم ہو رہی ہے۔ بتا دیں میں دوسرے روم میں سو جاؤں گا۔ آپ سے ویسے بھی ڈر لگنے لگا ہے جانے کس وقت آپ پہ جن آجائے اور میرا تماشا بن جائے۔" ایبک کا لہجہ نرم، مگر الفاظ بہت کاٹ دار تھے۔ ایک بار پھر ذیان کا دل چاہا کہ وہ غائب ہو جائے۔

وہ ایبک کی بات کا جواب دیے بغیر کمبل تان کر لیٹ گئی۔ ایبک بھی اپنی طرف آکر لیٹ گیا۔

"میں امی جان کی وجہ سے یہاں آنے اور سونے پہ مجبور ہوں کیوں کہ مجھے سب کی نظروں میں موضوع گفتگو بننا پسند نہیں ہے۔ پہلے ہی بہت تماشا اور مذاق

بن چکا ہے میرا۔ آپ کے جن کی وجہ سے۔" اندھیرے میں اس کی آواز برچھی کی مانند اس کے کانوں میں آکر لگی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

زیان بنیض احمد فیض کا نسخہ ہائے وفا ہاتھ میں پکڑے بیٹھی تھی۔ فیض کی شاعری اسے حد سے زیادہ پسند تھی۔ وہ کتاب میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی جب پاس پڑا اس کا سیل فون سریلے سر بکھیرنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر فون آن کرکے کان سے لگالیا۔

"زیان فون بند مت کرنا ورنہ حد سے بھی زیادہ پچھتاؤ گی۔" اس کی ہیلو کی جواب میں دوسری طرف سے وہاب اپنی مخصوص سفاک آواز میں بول رہا تھا۔ زیان کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی لہر دوڑ گئی۔

"کیوں کیا ہے فون مجھے تم نے۔" اس نے اپنے لہجہ میں اعتماد سمونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو تمہارے گھر بھی آیا تھا کیا کسی نے بتایا نہیں تمہیں۔ تمہاری ماں سے مل کر گیا ہوں' باتیں کی ہیں ان سے۔ تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤ گی تو بچ جاؤ گی مجھ سے۔ میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔ تم تو مل گئی ہو اب مجھے زرینہ خالہ کو تلاش کرنا ہے۔ بہت حساب ہیں تم دونوں کی طرف۔" حیرتوں کے بہت سے پہاڑ اکٹھے زیان کے سر پہ ٹوٹے تھے۔ وہاب یہاں ملک محل میں آیا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا۔ وہ مما سے ملا اور انہوں نے بھی اس سے یہ بات چھپائی۔

وہ ملک محل میں کیسے پہنچا؟ کس نے اسے یہاں کا پتا دیا تھا؟ اس کا پرسنل نمبر وہاب تک کیسے پہنچا...؟ اور اب وہ کس برتے پہ اسے اتنی بڑی بڑی دھمکیاں دے رہا تھا...؟ وہ ملک محل میں آگیا اور اسے ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ گارڈ تو کسی اجنبی شخص کو ملک محل کے گیٹ سے اندر تک نہیں داخل ہونے دیتے اور اس نے عنیزہ سے ملاقات بھی کرلی۔ وہ ان سوالوں کے جواب اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق حاصل کرنے کی تگ و دو کررہی تھی۔

"آئندہ مجھے فون کرنے کی کوشش مت کرنا۔" زیان نے کمزور لہجہ میں اسے دھمکی دینے کی کوشش کی جیسے واقعی وہ ڈر جائے گا۔ اس کی توقع کے برخلاف وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی آج سے پہلے اسے کبھی اتنی مکروہ نہیں لگی تھی۔

"تمہیں فون کرنا کیسے چھوڑ دوں۔ تم میری زندگی کی ضمانت ہو' میری محبت ہو۔ کتنی مشکل سے تو تمہارا سراغ پایا ہے اور تم کہتی ہو کہ مجھے فون ہی نہ کرو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے ٹوٹ کر محبت کی ہے تم سے زیان۔ اور تم میری محبت' چاہت' وفا سب کچھ ٹھکرا کر مجھ سے دور یہاں آگئیں۔ تم سوچتی ہوگی کہ میں کبھی بھی تم تک نہیں پہنچ پاؤں گا' لیکن دنیا گول ہے اور میرے لیے اتنی بڑی نہیں ہوئی ہے کہ تمہیں تلاش نہ کرسکوں۔" اس بار وہ بڑی ملائمت سے بولا تھا۔

"دیکھو مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔ میری شادی ہوگئی ہے۔ میرے گھر میں سے کسی کو پتا چل گیا تو بہت برا ہوگا۔" وہ روہانسی ہورہی تھی۔ وہ وہاب کے ساتھ بات کرتے ہوئے پوری طرح چوکنا تھی اور ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی۔ کوئی آتا تو اسے فوراً" پتا چل جاتا۔ وہاب لمبی بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ زیان نے اچانک لائن کاٹ کر اپنا سیل فون ہی آف کردیا۔

سیل فون آف کرکے زیان' عنیزہ کی طرف چلی آئی۔ وہ عصر کی نماز میں مصروف تھیں۔ اس نے نوکرانی سے مما کے بارے میں پوچھا تھا۔ زیبو نے انہیں بتایا تھا اس لیے وہ فوراً" اس کی طرف آئیں۔ جہاں وہ بے قراری سے چکر کاٹ رہی تھی۔ زیان کے چہرے پہ پریشانی اور اضطراب تھا۔ عنیزہ کے دل میں خدشات سر اٹھانے لگے کہیں اس کے اور ایبک کے مابین کوئی جھگڑا یا تلخی تو نہیں ہوگئی ہے۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ آؤ میری پاس بیٹھو۔" انہوں نے محبت سے اپنی طرف بلایا۔ خلاف توقع وہ اعتراض اور انکار کیے بغیر ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ورنہ جب

سے زیان نے انہیں اپنی نفرت سے آگاہ کیا تھا اس کے بعد سے ان دونوں میں شاذونادر ہی بات ہوتی تھی۔ ضرور کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی جس نے زیان کی نفرت بھی بھلادی تھی۔

"مما یہاں وہاب آیا تھا؟" اس نے انگلیاں باہم ایک دوسرے میں پھنسائی ہوئی تھیں۔ وہ امید افزا نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی جیسے وہ انکار کردیں گی۔ پر ان کا سر اثبات میں ہلا جو اس کے خوف کو کئی گنا بڑھا گیا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ جلالی بابا تمہارا علاج کررہے تھے۔ میں بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ تمہیں اپنے ساتھ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ بتاؤ تمہیں کس نے بتایا ہے۔ میرے علاوہ کوئی اس کا نام نہیں جانتا بلکہ ملک محل میں کوئی بھی اسے نہیں جانتا۔"

"مما ابھی اس کا فون آیا تھا۔"

"کیا...!" عنزہ شاکڈ تھیں۔

"کیسے فون آیا اس کا؟" وہ بدحواس ہوگئی تھیں۔

"مما میرے سیل فون پہ ابھی ابھی اس کی کال آئی تھی۔"

"تمہارا نمبر کس نے دیا ہے اسے؟"

"مما مجھے نہیں معلوم۔ میرا پرسنل نمبر کیسے اس کے پاس پہنچا۔ ملک محل سے باہر میرا نمبر کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میرا یہ نمبر بوا رحمت کے پاس بھی نہیں ہے۔" وہ بکھرے لہجے میں بولی۔

"پھر تمہارا نمبر اس نے کہاں سے لیا۔ پہلے وہ یہاں تک پہنچا پھر تمہارا نمبر حاصل کیا... پر یہ کیسے ہوا سب؟" عنزہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑلیا۔

"مما مجھے نہیں معلوم یہ سب۔ اس لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔" پریشانی سے اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"تم نے کسی اور سے تو بات نہیں کی۔"

"نہیں مما میں سیل فون آف کرکے آپ کے پاس آگئی ہوں۔"

"کسی سے فی الحال بات مت کرنا۔"

"مما وہاب یہاں آیا تھا یہ بات کس کس کو پتا ہے۔" اس نے رک رک کر پوچھا۔

"میں نے یہ بات صرف ملک صاحب کو بتائی ہے۔ ہم دونوں کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔"

"مما یہ بات ایبک کو تو معلوم نہیں ہے نا؟" اس بار اس نے مما سے نظر چرائی تھی۔

"نہیں اسے یہ بات معلوم نہیں ہے اور نہ ہی جہانگیر بھائی کو۔ یہ مصیبت بھی تم پہ میری وجہ سے آئی ہے میرے ماضی کی وجہ سے آئی ہے۔ تمہاری نفرت میں کئی گنا اضافہ ہوچکا ہوگا۔" عنزہ دل گرفتگی سے گویا ہوئیں تو زیان ان کی طرف بس دیکھ کر رہ گئی۔

"آج تک تم نے جو دیکھا سنا وہ ایک طرف کا موقف تھا۔ میں مانتی ہوں برسوں کی دوری نے بہت کچھ بدل دیا ہے، لیکن میں چاہتی ہوں تم ایک بار مجھ سے بھی حقیقت کے بارے میں جان لو پھر تمہیں نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہوگی۔"

عنزہ کے چہرے پہ امید و بیم کی ملی جلی کیفیت تھی جیسے وہ آج ان کی بات سن لے گی۔ زیان ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں بولی تھی۔ اس کی خاموشی کو عنزہ نے اس کا اثبات تصور کیا اور تکلیف دہ ماضی کی طرف کھلنے والے دریچے نیم وا کردیے۔

☼ ☼ ☼

عنزہ طلاق لے کر ابو کے پاس لوٹ آئی تھی۔ امیر علی نے بچی اس سے چھین لی تھی۔ انہوں نے امیر علی کے خاندان کے بڑوں کو درمیان میں ڈال کر مصالحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ وہ بچی عنزہ کے سپرد کردے۔ پر امیر علی نے سب کو ٹکا سا جواب دیا۔ وہ تو بچی کی شکل تک ماں کو دکھانے کا روادار نہ تھا کجا کہ اس کے حوالے کردیتا۔ اسے عنزہ سے شدید قسم کی نفرت تھی اس نفرت کا نشانہ زیان اور عنزہ

دونوں ہی بنی تھیں۔ دونوں کو جیتے جی ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔

عنیزہ کے سامنے عدالت سے مدد لینے کا راستہ بھی موجود تھا۔ پر ابو نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے اگر انہوں نے بچی کی کسٹڈی کا کیس دائر کیا بھی تو جیت امیر علی کی ہو گی۔ اس کے پاس پیسے تھے وہ وکیل کو خرید سکتا تھا جھوٹے گواہ پیش کر سکتا تھا۔ ان کی رہی سہی عزت کو سرعام نیلام کروا سکتا تھا۔ وہ باپ بیٹی امیر علی کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اس لیے چپ سادھ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ عنیزہ کی مسلسل خاموشی قاسم صاحب کے دل پہ قیامت ڈھانے لگی۔ وہ خود کو بیٹی کا مجرم تصور کرنے لگے۔ انہوں نے ہی تو شادی کروائی تھی ایک بار بھی اس کی مرضی یا رضامندی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چپ چاپ ان کے فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئی پر اس قربانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوا سب رائیگاں ہو گیا۔

راحت نے ملک ارسلان کو اس سانحے کی خبر کر دی تھی۔ اس کے بجھے بجھے بے رونق چہرے پہ پھر سے خوشی نمودار ہونے لگی تھی۔ ادھر ملک جہانگیر کو بھی عنیزہ کے حالات سے آگاہی ہو گئی تھی۔ وہ پہلی بار جا کر قاسم صاحب اور عنیزہ سے ملے۔ ان کا چھوٹا سا گھر ایک عام متوسط علاقے میں تھا۔ مالی طور پہ وہ کسی طرح بھی ملک خاندان کے ہم پلہ نہیں تھے۔ پر یہاں ان کے چھوٹے بھائی کا دل اٹکا ہوا تھا اس کی خوشی اس چھوٹے سے گھر میں ہی موجود تھی۔ انہوں نے قاسم صاحب سے عنیزہ کا رشتہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے مانگا۔ خلاف توقع عنیزہ نے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ کسی صورت بھی دوسری شادی کے حق میں نہیں تھی وہ اس امید پہ بیٹھی تھی کہ امیر علی ذیان کو اس کے سپرد کر دے گا۔ وہ باقی زندگی اپنی بیٹی کے ساتھ گزار سکتی تھی۔ اس کے انکار نے ملک ارسلان کو پھر سے مایوسی کے اتھاہ غار میں دھکیل دیا۔

امیر علی نے دھوم دھام سے دوسری شادی کر لی۔ عنیزہ نے قاسم صاحب کے ذریعے اپنی فریاد ایک بار پھر امیر علی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ الٹا اس نے دھمکی دی کہ تم باپ بیٹی میں سے کوئی میرے گھر کے آس پاس بھی نظر آیا تو میں دونوں پہ جھوٹا مقدمہ بنوا دوں گا۔

اسی غم میں قاسم صاحب نے ایک رات خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ اب اس اکیلے گھر میں صرف عنیزہ اور اس کی تنہائی تھی۔ محلے والوں نے کچھ عرصہ ساتھ دیا، لیکن کوئی کب تک خبر گیری کر سکتا تھا۔ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اس کے سامنے تنہائی اور پہاڑ سی زندگی تھی۔ ملک جہانگیر ایک بار پھر اس کے پاس آئے۔ اس بار ان کے سمجھانے بجھانے پہ عنیزہ نے خاموشی سے ان کی بات مان لی۔ اس کے سوا اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ملک محل میں سب نے کھلے دل سے اسے خوش آمدید کہا۔ ملک ایبک اور ملک معاذ چھوٹے چھوٹے تھے۔ انہیں دیکھ کر عنیزہ کو ذیان یاد آنے لگتی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ایک بار پھر اسے ملنے کی سعی کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے بوا رحمت کو خط لکھا اور ذیان سے کسی بھی طرح چھپ کر ملاقات کروانے کو کہا۔ اس خط کے مندرجات الفاظ دل ہلا دینے والے تھے یہ صرف ایک خط نہیں تھا ماں کے دکھی دل کی فریاد تھی۔ اس نے جس جتن سے یہ خط بوا کو بھیجا یہ وہی جانتی تھی پر اسے خط کا کوئی جواب نہیں ملا۔

ملک ارسلان اس کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتے۔ وہ اسے گھمانے پھرانے کے لیے ورلڈ ٹور پہ لے گئے۔ پر عنیزہ کے دل کی بے کلی ختم نہ ہوئی۔ وہ کافی عرصہ نفسیاتی معالج کے زیر علاج رہیں، لیکن دل سے بیٹی کی یاد کو نہ نکال سکیں۔ ملک ارسلان نے انہیں اندھیری راتوں میں سب سے چھپ کر اللہ کے سامنے فریاد کرتے روتے گڑگڑاتے دعائیں مانگتے دیکھا۔ عنیزہ کی دعاؤں کی قبولیت میں سالوں لگ گئے۔ پھر ایک دن وہ معجزہ ہو گیا جس کی توقع وہ جانے کب سے کر رہی تھیں۔ بوا رحمت نے خود ان سے رابطہ کیا اور ذیان کو

اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا۔ اٹھارہ برس بعد یہ انہونی ہوئی تھی۔ خوشی سے ان کے ہاتھ پاؤں پھولے جارہے تھے۔ ملک ارسلان عنیزہ کو خوش دیکھ کر خود بھی شادماں تھے۔ وہ بذات خود جاکر زیان کو لے کر آئے۔ عنیزہ جس بیٹی سے ملنے کی تمنا میں برسوں سے تڑپ رہی تھی یہ وہ نہیں تھی۔ زیان تو ان کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

"بس یہ تھی میری زندگی کی کہانی اور سچائی۔" عنیزہ ماضی کا سفر کرکے حال میں لوٹ آئی تھیں۔ انہوں نے زیان کی طرف دیکھا دونوں بغیر پلک جھپکائے ایک دوسرے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ اچانک زیان اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگ کران کے گلے سے آلگی۔ آنسوؤں کی جھڑی اس کی آنکھوں سے بہہ رہی تھی۔ اپنی غلط فہمیوں غلط سوچوں پہ وہ جی بھر کر شرمندہ تھی۔ اپنی ماں کی مجبوریوں کا ادراک اسے اب آکر ہوا تھا۔

زیان نے انہیں ہمیشہ انہیں قصور وار اور مستوجب سزا ہی تصور کیا، کتنا برا کرتی آئی تھی وہ ان کے ساتھ۔ پھر انہوں نے اپنی تکلیف کا اظہار بھی بھی نہیں کیا۔ ذہنی اذیت، کرب، آنسو جو وہ انہیں دے چکی تھی کچھ بھی تو بھولنے کے قابل نہ تھا۔ زیان اپنی گزشتہ زندگی اور رشتوں سے بدگمان ہی رہی۔ امیر علی کی کمزوری اور نفرت کی بدولت زرینہ بیگم کے ہاتھ مضبوط ہوئے جس کی وجہ سے وہ زیان کو اذیت دیتی رہیں۔ امیر علی گھر کے سکون کو خراب ہونے سے بچانے کی خاطر خاموش رہے ان کی یہی خاموشی اور چشم پوشی زیان کو اذیت پرستی اور خود اذیتی کے گہرے اندھیروں میں لے جانے کا باعث بنی۔ وہ خود سے وابستہ خود سے چاہنے والوں کو اذیت دینے کی عادی ہوتی گئی۔

یہ بات بھی قابل غور تھی کہ وہ خود سے وابستہ بہت قریبی رشتوں کو ہی اذیت دیتی آئی تھی سب سے پہلے امیر علی ہی اس کا نشانہ بنے تھے نفرت کا جو بیج انہوں نے بویا تھا اب زیان کی صورت کاٹنا تو تھا۔ اسے انہیں بے سکون کرکے نظر انداز کرکے عجیب سے خوشی ملتی۔ امیر علی کے بعد عنیزہ اور پھر ایبک کا نام اس فہرست میں تھا۔ وہ ملک ارسلان سے بھی برگشتہ رہی تھی اس کے خیال میں وہ بھی برابر کے قصوروار تھے۔

اب وہ عنیزہ کی گود میں سر رکھے رو رہی تھی۔

ملک ارسلان اچانک اس طرف آئے تھے۔ دونوں ماں بیٹی کو دھواں دھار روتے دیکھ کر وہ بغیر کچھ پوچھے ہی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ہی دونوں کو چپ کروایا۔ عنیزہ کے آنسو اب بھی نہیں رک رہے تھے۔ ملک ارسلان کا ایک ہاتھ زیان کے سر پہ تھا وہ اسے تسلی دے رہے تھے وہ ننھے بچے کی طرح ہمک کر ان کے دائیں بازو سے آلگی۔

"بابا... آئی ایم سوری بابا! میں آپ دونوں کو غلط سمجھتی رہی۔" ندامت سے اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ملک ارسلان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ عنیزہ، زیان اور ارسلان۔ تینوں ایک ساتھ۔ روتی آنکھوں کے ساتھ چہرے پہ مسکراہٹ لیے یہ تصویر اب مکمل تھی۔

☆ ☆ ☆

احمد سیال کی طرف سے دی گئی دعوت میں ملک جہانگیر، افشاں بیگم ملک ایبک اور زیان چاروں ہی آئے تھے۔ زیان کا اس قسم کی دعوت میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔ احمد سیال کا تعلق بزنس کلاس سے تھا ان کے مدعو کیے گئے مہمان، اکثر ان کے سوشل سرکل سے تعلق رکھتے تھے۔

احمد سیال نے بڑی گرمجوشی سے ان سب کی اور خاص طور پہ زیان کی خیر خیریت دریافت کی تھی۔ اسے ایک ثانیے کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے انہوں نے اسے گہری نگاہ سے دیکھا ہو۔ بعد میں یہ احساس پوری تقریب کے دوران اس پہ حاوی رہا۔ احمد سیال نے اپنی اکلوتی صاحبزادی سے ان کا تعارف کروایا۔ ریڈ کلر کے

ماڈرن ڈریس میں ان کی بیٹی شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ زیان بھی ڈیپ ریڈ کلر کے کامدار سوٹ میں ملبوس تھی، مگر نہ جانے احمد سیال کی بیٹی سے تعارف حاصل کرنے کے بعد زیان کو اپنی تیاری، اپنا قیمتی ڈریس، میچنگ جیولری نفاست سے کیا گیا میک اپ سب کا سب ہی انتہائی فضول لگنے لگا۔ احمد سیال کی لاڈلی بیٹی پوری محفل پہ چھائی ہوئی تھی۔

زیان اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ احمد سیال کے گھر میں ان کی بیٹی کے روپ میں اس حلیے میں اسے نہ ملتی تو وہ کبھی بھی اسے رنم سیال ماننے پہ آمادہ نہ ہوتی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ نمل کی شباہت لیے رنم سیال ہے، لیکن یہ سو فی صد احمد سیال کی بیٹی رنم تھی بھلا کہاں نمل، ایک عام سی لڑکی اور کہاں رنم سیال، ایک بزنس ٹائیکون کی ماڈرن بیٹی جو پڑھنے کی غرض سے پاکستان سے باہر گئی ہوئی تھی۔

کچھ ایسا ہی حال ملک ایبک کا بھی تھا جب احمد سیال نے رنم کا تعارف ملک فیملی سے کروایا۔ وہ بے یقینی سے رنم سیال کو دیکھ رہا تھا جس کے ریڈ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ بہت خوب صورتی سے مسکرا رہے تھے۔ اس نے انتہائی گرم جوشی سے ملک ایبک سے ہاتھ ملایا۔ خیر مقدمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ایبک بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ رنم کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

ایبک اور زیان تو اسے دیکھ کر چونک گئے تھے جبکہ افشاں بیگم کا رویہ نارمل رہا۔ کیوں کہ رنم سیال کی پوری لک ہی چینج تھی صرف ہلکی پھلکی نقوش کی مشابہت سے کیا ہوتا تھا۔ رہ گئے جہانگیر تو ملک محل میں بہت کم ان کا سامنا نمل سے ہوا تھا اور انہوں نے اس پہ خاص توجہ ہی نہیں دی تھی۔ ویسے بھی موتیے کے آپریشن کے بعد ان کے ساتھ بصارت کے مسائل ہو رہے تھے۔ ایبک اور زیان دونوں رنم سیال کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس کا ہر انداز نمل سے مختلف تھا۔

ڈنر کے بعد گاؤں واپسی کے لیے ٹائم نہیں رہا تھا۔ احمد سیال نے بڑی محبت کے ساتھ انہیں رکنے کی پیش کش کی۔ تقریب ختم ہو چکی تھی ان کے سوا باقی سب مہمان واپس جا چکے تھے۔ رنم نے اپنے کلاس فیلوز میں سے کسی کو بھی مدعو نہیں کیا تھا۔ انہیں اس کے آنے کی ابھی تک خبر بھی نہیں ملی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ان سے ناراض تھی، خاص طور پہ کومل اور فراز سے تو وہ انتہائی بدگمان اور برگشتہ تھی۔ اس لیے تو اس نے ان دونوں کو ابھی تک اپنی واپسی کا بھی نہیں بتایا تھا۔

رنم بہت خوش تھی ایبک پہلی بار اسے ملا تھا وہ رنم سیال کے چہرے کے ساتھ تھی اس کی حیرت دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ یہی حال زیان کا بھی تھا، پر رنم نے اسے خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کی پوری توجہ ملک ایبک کی طرف تھی۔ ملک جہانگیر، افشاں بیگم، احمد سیال اور زیان ایک ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے بلکہ زیان صرف سامع کے فرائض سر انجام دے رہی تھی۔ جبکہ رنم ایک الگ صوفے پہ ملک ایبک کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے چکر میں تھی۔

"اچھا آپ شہر کے ساتھ ساتھ گاؤں میں بھی پراجیکٹ پہ کام کر رہے ہیں واؤ گریٹ۔" رنم نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"جی ہاں میں ایک اسکول بھی بنوا رہا ہوں تعمیر کے مراحل میں ہے وہ۔ اور انڈسٹریل ہوم مکمل ہو کر کام شروع کر چکا ہے۔"

"میں آپ کے گاؤں آؤں گی۔ اسکول اور انڈسٹریل ہوم دیکھنے۔ مجھے بھی گائیڈ لائن چاہیے جس پہ کام شروع کر سکوں۔"

"آپ آئیے گا میں آپ کا انتظار کروں گا۔" ملک ایبک بہت خوش ہوا۔ اس ماڈرن لڑکی کے منہ سے غریب اور غریب لوگوں کے مسائل سن کر اسے بہت اچھا محسوس ہوا۔

آہستہ آہستہ سب ہی سونے کے لیے جا چکے تھے

صرف ایبک اور رنم ہی وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باتوں کے دوران انہیں تیزی سے گزرتے وقت کا احساس تک نہ ہوا۔ اچانک وال کلاک پہ ایبک کی نظر پڑی جو ڈھائی بجے کا وقت بتا رہا تھا۔ تب ایبک اسے گڈ نائٹ کہہ کر اٹھا۔

زیان صوفے پہ سکڑی سمٹی لیٹی ہوئی تھی پر وہ سو نہیں رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا۔ دوسری نظر اس نے وال کلاک پہ ڈالی۔ عام طور پہ وہ اتنی رات گئے جاگنے کا عادی نہیں تھا کیوں کہ اس کا پورا دن مصروف گزرتا تھا اس لیے وہ رات جلدی سے سوتا اور صبح جلدی بےدار ہوتا تھا' آج وہ اپنے معمول سے کافی لیٹ تھا۔ زیان کو نئی جگہ اور رنم سیال کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ رنم سیال بالکل نمناک کی ہم شکل تھی۔ نمناک کی پراسرار گمشدگی اور رنم کا اسے مشابہت رکھنا دونوں باتیں اسے ناقابل یقین لگ رہی تھیں جتنا سوچتی الجھتی جاتی۔

"کیا بات ہے ابھی تک آپ سوئی نہیں ہیں؟" ایبک نے ایک دوستانہ نظر اس پہ ڈالی۔ ورنہ تنہائی میں وہ کم ہی اس سے مخاطب ہوتا۔ وہ شہر میں کافی مصروف ہو گیا تھا' ہفتے میں دو چکر گاؤں کے لگتے اور تب بھی وہ مصروف ہی ہوتا۔ سارا دن گھر سے باہر رہتا رات کو آتا تو پڑ کے سو جاتا۔

اس دن کے بعد سے وہ تو زیان کے لیے جیسے بالکل ہی اجنبی ہو گیا تھا۔ افشاں بیگم نے اس کی بے تحاشہ مصروفیت کی وجہ سے گھر میں ٹک کر بیٹھنے اور رہنے کی پابندی لگا دی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی مصروفت کی وجہ سے زیان نظر انداز ہو رہی ہو۔ تب ہی انہوں نے کہا کہ کچھ دن گھر میں رہو زیان کو گھمانے پھرانے لے جاؤ اسے ٹائم دو۔ جواب میں اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار۔

ملک ارسلان نے ایبک کا مصروف ترین شیڈول دیکھتے ہوئے زیان کو آگے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ گھر میں کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کرتی تو لامحالہ اسے شہر میں رہنا پڑتا۔ اور شہر میں ملک ایبک کے پاس اپنی رہائش تھی اس صورت میں دونوں زیادہ سے زیادہ اکٹھے رہ سکتے تھے۔ کیوں کہ ملک ایبک کا زیادہ وقت شہر میں ہی گزرتا تھا آج کل وہ گاؤں میں بھی مصروف تھا۔

"جی نیند نہیں آرہی ہے۔" زیان نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا کیوں کہ ایبک نے اسے خود سے مخاطب کیا تھا۔ وہ صوفے پہ بیٹھ کر شوز اتار رہا تھا۔ زیان نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اب ایبک پاؤں میں پہنی گئی جرابیں اتار رہا تھا۔ اس کے پاؤں بالکل صاف ستھرے ناخن شیپ میں تراشے ہوئے تھے اس کے پاؤں کی انگلیوں پہ ہلکے ہلکے بال موجود تھے جو بہت بھلے لگ رہے تھے۔ اب وہ اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول رہا تھا کوٹ اس نے پہلے ہی اتار کر صوفے کی بیک پہ ڈال دیا تھا۔ اس کی شرٹ کی آستینیں فولڈ تھیں جو صوفے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے ابھی ابھی کی تھیں۔ اس کی ہاتھ کی پشت اور بازوؤں پہ بھی گھنے بال تھے۔ وہ غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ کا جائزہ مکمل ہو چکا ہے' میں چینج کر لوں ذرا۔" ایبک نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا وہ باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔ زیان اس کی بات پہ جھینپ سی گئی۔ اس نے زیان کی نگاہوں کی چوری پکڑ لی تھی۔ اسے شرمندگی ہونے لگی۔ اس نے منہ کمبل کے اندر کر لیا۔ ایبک شاور لے کر آیا تو وہ کمبل میں سر سے پاؤں تک ملفوف تھی یہاں تک کہ اس کی ایک انگلی یا بال تک بھی نظر نہ آرہا تھا۔ ایبک لائٹ بند کر کے بیڈ پہ آگیا۔ وہ اب فارغ تھا۔ زیان کی طرح وہ بھی نمناک اور رنم کی حیرت انگیز مشابہت پہ حیران تھا' لیکن اپنی حیرانی اس نے رنم سیال پہ ظاہر نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

گھر لوٹنے پہ زیان سب سے پہلے عنزہ کی طرف گئی۔ وہ انہیں کچھ جتانے کے لیے بے چین تھی۔ عنزہ لان میں بیٹھی خوش گوار دھوپ سے لطف اندوز

ہو رہی تھیں۔ زیان بھاگنے والے انداز میں ان کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ زیان کے چہرے پہ جوش جھلک رہا تھا۔

"مما... مما میں نے نمناں سے ملتی جلتی لڑکی دیکھی ہے۔" اس نے دانستہ طور پہ اپنے لہجہ میں سسپنس سمویا تھا۔

"کہاں دیکھی ہے؟" عنیزہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"مما ہم جن کے گھر دعوت میں گئے تھے ان کی بیٹی بالکل نمناں کی ہم شکل ہے۔ وہ پاکستان سے باہر تھی حال ہی میں وہ واپس آئی ہے۔"

"اوہ تو تم سب جہانگیر کے دوست احمد سیال کی طرف گئے تھے۔" عنیزہ نے پرسکون سانس لی۔

"آپ کو جہانگیر انکل نے بتایا تو تھا کہ ہم سب ان کی طرف انوائٹ ہیں۔"

"ہاں میرے ذہن سے یہ بات نکل ہی گئی تھی۔ جہانگیر بھائی کو اپنے اس دوست کی بیٹی بہت پسند تھی ایبک کے لیے، جاکر دیکھ بھی آئے تھے۔ ہم سب نے بھی احمد سیال کی بیٹی دیکھنے کے لیے جانا تھا، لیکن پھر بعد میں پتا چلا کہ وہ پڑھنے کے لیے باہر چلی گئی ہے یوں بات آگے بڑھے بغیر ہی ختم ہو گئی۔" عنیزہ نے اپنی دھن میں بے ساختہ اسے بتایا۔ زیان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس سے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس سے پہلے بھی ایبک کے لیے کسی کو پسند کیا گیا ہے۔ ابھی مما کی زبانی اسے علم ہوا تھا اور جانے کیوں اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ بات مکمل کر کے عنیزہ نے اس کی طرف دیکھا تو انہیں اداسی نظر آئی۔ انہوں نے جیسے اس کا چہرہ اور نگاہیں پڑھ لی تھیں۔

"دراصل میں احمد سیال کی بیٹی جہانگیر بھائی کو معاذ کے لیے پسند تھی پر اس نے کہا کہ میں لڑکی دیکھے بغیر شادی نہیں کروں گا تم اس نے جہانگیر بھائی کو ٹال دیا تھا۔ معاذ نے کہا میں تو ابھی شادی کروں گا نہیں آپ کو اپنے دوست کی بیٹی اتنی ہی پسند ہے تو آپ ایبک بھائی کے لیے بات چلائیں۔ یہ بات جہانگیر بھائی کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ حالانکہ افشاں بھابھی اس کے لیے قطعی طور پہ راضی نہیں تھیں اور ایبک بھی خاموش خاموش سا رہنے لگا تھا۔ پھر بعد میں خود بہ خود ہی بات ختم ہو گئی۔ تم یہاں آئیں تو افشاں بھابھی کو پہلی نظر میں ہی بھا گئیں۔ جہانگیر بھائی کا بھی یہی حال تھا اور رہا ایبک تو اسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اس نے خوشی سے تمہارے ساتھ شادی کے لیے رضامندی دی تھی۔"

عنیزہ کو ٹوٹ کر زیان پہ پیار آیا اس وقت وہ چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔

نہ جانے کیوں اسے رنم سیال سے حسد محسوس ہو رہا تھا اپنا آپ اسے کمتر لگ رہا تھا وہ اپنا اور اس کا موازنہ کر رہی تھی۔ رنم سیال ایک امیر باپ کی بیٹی تھی جبکہ وہ کرب ناک حالات سے گزر کر حویلی پہنچی تھی۔ رنم سیال کے ساتھ شادی کی صورت میں ایبک کو بے پناہ مالی فوائد حاصل ہوتے، لیکن اس نے زیان کو بغیر کسی لالچ کے اور جہیز کے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ جوں جوں وہ سوچتی جا رہی تھی احساس کمتری کے گہرے غار میں اترتی جا رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"پاپا مجھے گاؤں جانا ہے، ایبک کے ساتھ مجھے بھی وہاں ایک پراجیکٹ شروع کرنا ہے۔" وہ انہیں مطلع کر رہی تھی۔

احمد سیال نے اسے بے بسی سے دیکھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔ جس طرح وہ ایبک میں کھلے عام دلچسپی لے رہی تھی وہ انہیں بہت کچھ بتانے کے لیے کافی تھا۔ جب وہ آئی تھی اس نے تفصیل سے پاپا کو ایک ایک بات سے مطلع کیا تھا۔ ایبک سے اپنا لگاؤ اور پسندیدگی ظاہر کرنے میں اسے کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ایبک شادی شدہ ہے۔ وہ اسے بری طرح بھا گیا تھا۔ احمد سیال نے صرف اس کی خواہش پہ ملک جہانگیر کی فیملی کی خاطر اتنی بڑی تقریب منعقد کی تھی۔ وہ اس کی کوئی بات بھی نہیں ٹال سکتے

تھے۔ وہ ضدی تھی اس نے روتے ہوئے پاپا سے التجا کی تھی کہ وہ اسے کسی بھی طرح ایبک سے ملوادیں شادی کروادیں۔ وہ رو رہی تھی اور ان کا دل کٹ رہا تھا۔ پہلے بھی اپنی بات نہ ماننے پہ وہ گھر چھوڑ گئی تھی اس بار وہ کوئی انتہائی قدم اٹھالیتی تو وہ کیا کرتے۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں ایک نیا رنگ دیکھا تھا یہ جنون کا وحشت کا رنگ تھا۔

وہ ملک ایبک پہ صرف اور صرف اپنا حق سمجھ رہی تھی کیوں کہ ایبک کا رشتہ پہلے اسی کے لیے ہی تو آیا تھا۔ وہ گھر چھوڑ کر نہ جاتی تو آج ایبک کی بیوی بن کر ملک محل میں بیٹھی ہوتی۔ اس کی محبتوں پہ بلا شرکت غیرے صرف اور صرف اسی کا حق ہوتا۔ کاش یہ بات اسے ملک محل میں رہتے ہوئے ہی معلوم ہو جاتی تو وہ کسی صورت بھی ایبک اور زیان کی شادی نہ ہونے دیتی۔ بھلا زیان ہوتی کون ہے ایبک کی زندگی میں آنے والی۔ جہانگیر انکل نے اسے اپنے بیٹے کے لیے پسند کیا تھا۔ ایبک صرف اسی کا ہے۔

وہ گاؤں میں ایبک کے قریب رہنے کے لیے پلاننگ کر رہی تھی۔ احمد سیال نے اس مقصد کے لیے بھاری رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادی تھی۔

رنم سیال ملک محل آرہی تھی۔ ملک جہانگیر اس کے لیے گیسٹ روم از سر نو ڈیکوریٹ کروا رہے تھے۔ ملک جہانگیر، رنم سیال کی آمد پہ خوش تھے وہیں پہ زیان پریشان تھی۔ ایبک کے ساتھ صرف ایک ملاقات کے بعد ہی اس نے گاؤں آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جواباً" ملک ایبک نے بڑے خلوص سے اسے گاؤں آنے کی دعوت دی تھی۔

✲ ✲ ✲

"معاذ ہم ان کے گھر گئے تھے دعوت پہ۔ یقین کرو وہ بالکل نمناں جیسی ہے۔ میں تو اسے دیکھ کر چونک گئی تھی وہ ہو بہو نمناں جیسی تھی شکل و صورت میں، صرف ڈریسنگ کا فرق تھا۔ حیرت انگیز مشابہت دیکھی ہے میں نے تو پہلی بار۔" وہ معاذ کے ساتھ اسکائپ پہ بات کرتے ہوئے جوش و خروش سے احمد سیال کے گھر جانے اور ان کی بیٹی سے ملنے کا احوال بتا رہی تھی۔ معاذ کو کچھ دن پہلے ہی نمناں کی گمشدگی کے بارے میں علم ہوا تھا۔ وہ اپنی پڑھائی کی وجہ سے مصروف تھا اس لیے اتنی توجہ نہ دے سکا تھا۔ آج فرصت سے زیان سے بات ہو رہی تھی تو وہ اسے نئی نئی باتیں بتا رہی تھی۔

"تو آپ سب سے وہ کیسے ملی؟" معاذ اندر سے چونک گیا تھا، لیکن زیان کے سامنے اس نے اظہار نہیں کیا۔

"ہم سب سے تو اچھے طریقے سے ملی تمہارے بھائی جان کو تو اس نے خاص طور پہ کمپنی دی ہے۔ پہلی ملاقات میں ہی بے تکلف ہو گئی اور اب وہ ہمارے گھر بھی آرہی ہے گیسٹ روم تیار ہے اس کے لیے۔" آخر میں زیان جل کر بولی تو معاذ ہنسنے لگا۔

"وہ ہمارے گھر کیوں آرہی ہے؟"

"گاؤں دیکھنے آرہی ہے اور کچھ سوشل ورک کرنے۔" زیان نے سادگی سے بتایا۔

"سوشل ورک کے لیے اسے شہر میں کچھ نظر نہیں آیا جو گاؤں آرہی ہیں وہ۔ اتنی دور۔" معاذ دل میں کچھ سوچ رہا تھا۔

وہ اسے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ رنم کی طرف سے ہوشیار ہو جائیں۔ زیان پریشان ہو جاتی۔ احمد سیال کے گھر جب اس نے ان کی بیٹی کے فوٹو دیکھے تو نہ جانے کیوں آپ ہی آپ اس کی سوچوں کا دھارا نمناں کے گرد مڑ گیا تھا۔ معاذ اسے جان کر تنگ کرتا تھا۔ بہت سے مواقع پہ معاذ کو ایسا محسوس ہوا کہ نمناں اصل میں وہ ہے نہیں، جو وہ خود کو ظاہر کرتی ہے اگرچہ اس نے خود کو ملک محل کے رنگ میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی تھی پھر بھی معاذ کی حساس اور زیرک نگاہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوتا رہا۔ وہ معاذ کے سوالوں سے ڈر جاتی۔ اس کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتی۔

احمد سیال کی بیٹی اب اچانک بیرون ملک سے واپس آگئی تھی جس طرح اچانک گم گئی تھی۔ نمناں غائب ہوئی

تو وہ منظر عام پہ آگئی۔ جانے کیا گورکھ دھندا تھا۔ پہلی ملاقات میں ہی ایبک سے بے تکلفی بھی معنی خیز تھی۔ معاذ اس کے بارے میں شاید کبھی بھی ایسے تجسس کا شکار نہ ہوتا اگر وہ اسے اتفاقاً "زیان بھابھی کی طرف عجیب حسد سے بھری نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نہ پکڑتا۔ وہ کیسی عجیب مبہم نگاہیں تھیں جن کی نفرت کا جواز پیش کرنا مشکل تھا۔

معاذ کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے نمنال اور اب رنم سیال ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ اس نے اپنے اندازے اور محسوسات سے زیان کو لاعلم ہی رکھا تھا۔ وہ بے پناہ حساس طبیعت کی مالک تھی پریشان ہو جاتی۔

☼ ☼ ☼

ملک ایبک تیار ہو کر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔ سلمیٰ ادھر ہی پاس بیٹھی اس کے جوتے پالش کر رہی تھی۔ زیان سیل فون ہاتھ میں تھامے خوامخواہ ہی مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایبک پرفیوم اسپرے کر کے بیٹھ گیا تھا۔ زیان نے گردن موڑ کر ایبک کی طرف دیکھا وہ صاف دھلی ہوئی جرابیں پہن رہا تھا اس کی ظاہری حالت بھی بہت منظم تھی اس کی شخصیت کی طرح۔ وہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ زیان اس کی طرف دیکھے کچھ ایسا سحر تھا اس کی شخصیت میں۔ سلمیٰ نے آخری بار اپنے دوپٹے کے کونے سے ایبک کے شوز پہ لگی نادیدہ گرد جھاڑی۔ اس سے اس کی نگاہوں میں ایبک کے لیے خاموش سی عقیدت تھی کیوں کہ وہ بغیر اس کے کہے اس کی ضرورتوں کو سمجھ کر اکثر و بیشتر اس کی مدد کرتا تھا اس لیے وہ اس کا بے پناہ ادب کرتی تھی۔ زیان کے اندر تک جلن اور کڑواہٹ پھیلی تھی۔

"سلمیٰ جاؤ میرے لیے پانی لے کر آؤ۔" اس کی آواز اس سے غراہٹ سے مشابہ تھی۔ سلمیٰ نے دہل کر چھوٹی بی بی کی طرف دیکھا وہ بہت تیزی سے وہاں سے بھاگی۔ چھوٹی بی بی کے جن سے وہ بھی ڈرتی تھی۔

"آپ سلمیٰ سے آرام سے بھی یہ بات کہہ سکتی تھی۔" ایبک نے خاصے رسان سے زیان کو اس کے رویے کی بد صورتی کا احساس دلایا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" زیان کے انداز میں حیرت آمیز رنج تھا جیسے اسے ایبک کی بات سے تکلیف پہنچی ہو۔

"سلمیٰ کو ہم نے کبھی بھی نوکر نہیں سمجھا ہے۔ ان لوگوں کی بھی عزت نفس ہوتی ہے آپ نرمی سے تحمل سے بات کیا کریں سب کو وہم ہی رہتا ہے آپ کے بارے میں۔۔۔ نہ جانے آپ بول رہی ہیں یا آپ کا جن۔۔۔!" وہ مسکراہٹ لبوں میں دبا گیا تھا۔ وہ آرام سے بول کر اس کے پاس گزرتا جا چکا تھا۔ زیان کو شدید غصہ آرہا تھا، لیکن وہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے جن کی آڑ میں وہ خوب چیخ چلا سکتی تھی، لیکن ایبک جن کی حقیقت سے واقف ہو چکا تھا اب وہ صبر اور جبر ہی کر سکتی تھی خود پہ۔

☼ ☼ ☼

رنم سیال ملک محل آگئی تھی۔ نوکرانیاں اسے دیکھ کر ششدر تھیں ایسے لگ رہا تھا نمنال کپڑے بدل کر ماڈرن سوانگ بھر کر پھر سے آگئی ہے۔ حیرت انگیز مشابہت تھی دونوں کی۔ عنیزہ بھی اسے دیکھ کر چونک گئی تھیں پر رنم سیال کی نگاہوں میں شناسائی کی کوئی بھی رمق نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا ملک محل میں اسے ایسے رد عمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس لیے وہ ذہنی طور پہ خود کو سمجھا بجھا کر لائی تھی۔ اپنی اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب تھی۔ کیونکہ نوکرانیاں اور ملک محل میں رہنے بسنے والے اللہ کی شان کے گن گا رہے تھے وہ چاہے تو کیا نہیں بنا سکتا پھر ایک جیسی شکل کے دو انسان کیوں نہیں بنا سکتا۔

عنیزہ افشاں بیگم خاصی محبت سے ملی تھیں اس سے۔ ایبک اسکول کی طرف تھا۔ وہ بھی رنم سیال کی وجہ سے جلدی گھر آگیا تھا۔ کھانے میں خاصا اہتمام تھا۔ ڈائننگ ہال میں سب کے ساتھ کھانا کھا کر رنم کو اپنی انا اور عزت نفس کے سرخرو ہونے کا احساس

ہوا۔ اس ملک محل میں وہ نمناں کی عام حیثیت میں رہی تھی اب رنم سیال کی حیثیت میں سب کیسی عزت اور وقار کے ساتھ پیش آرہے تھے۔ اس کے جلتے دل پہ پھوار پڑرہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کے موڈ میں نہیں تھی جھٹ ملک ایبک سے اسکول اور انڈسٹریل ہوم دیکھنے کی فرمائش کردی۔ ایبک اسے اپنی گاڑی میں پہلے انڈسٹریل ہوم دکھانے لایا۔ یہاں آکر رنم کو طاقت اور اختیار کا احساس ہوا۔ یہاں وہ میڈم کی حیثیت میں بیٹھا کرتی تھی۔ چھٹی ہوچکی تھی ورنہ سب عورتیں اسے دیکھ کر حیران ہوتیں۔ اس نے اشتیاق سے ایک ایک حصہ دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ یہاں اچھا خاصا ٹائم لگ گیا تھا۔ اسکول دیکھنے جاتے تو رات کا اندھیرا پھیل جاتا۔ سو ایبک نے اسے واپسی کا کہا۔ اس نے فوراً" مان لیا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ کافی دیر ایبک کے ساتھ سٹنگ ایریا میں بیٹھی رہی۔

زیان 'بیڈروم میں معاذ کے ساتھ بات کرتے ہوئے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کررہی تھی۔ ایبک اٹھ کر آیا تو زیان اور معاذ میں رنم سیال کی باتیں چھڑی ہوئی تھیں۔ ایبک کے آتے ہی زیان نے فوراً" موضوع تبدیل کردیا۔ ویب کیم میں معاذ ایبک کو دیکھ کر اس تبدیلی کی وجہ جان چکا تھا۔ زیان نے جلدی بات ختم کردی۔ وہ نہا کر آیا تو زیان کمرے میں نہیں تھی۔ ایبک نے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے دروازے سے باہر نظر دوڑائی وہ سخت سردی میں ٹیرس کی دیوار پہ کہنیاں ٹکائے کھڑی تھی۔

"باہر ٹھنڈ ہے زیان آپ بیڈروم میں آجائیں۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے آگیا تھا۔ ایبک ہلکی سی شرٹ میں بغیر کسی گرم کپڑے کے تھا۔

"میں چاند کو دیکھ رہی ہوں "آجاؤں گی۔" وہ قدرے رکھائی سے بولی تو ایبک سرہلاتا پلٹ گیا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے اندر کی حرارت کو سردپنے میں تبدیل کردیا تھا گو کہ زیان نے ہیٹر بھی آن نہیں کیا تھا۔ ایبک نے ہیٹر آن کیا اور بک شیلف سے ایک کتاب نکال کر بیڈ پہ آگیا۔ آدھے گھنٹے بعد زیان بھی آگئی۔ دروازہ بند کرکے اس نے اپنا کمبل اٹھایا اور صوفے پہ لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایبک نے اس کی طرف دیکھا وہ سوچکی تھی۔ اس نے کتاب رکھ دی۔

آج سردی کافی زیادہ تھی اس نے فالتو کمبل لاکر صوفے پہ دراز زیان کے اوپر ڈالا۔ کچھ بھی سہی وہ اس کی ذمہ داری تھی۔ زیان ہلکی نیند میں تھی۔ ایبک نے اس کے اوپر کمبل ڈالا تو وہ پوری طرح بے دار ہوئی۔ ایبک اس پہ کمبل ڈال کر جاچکا تھا۔ وہ اس دن کے بعد سے بیڈ پہ نہیں سوئی تھی "آخر کو وہ بھی عزت نفس رکھتی تھی۔ اتنی گری پڑی نہیں تھی۔ جب وہ اسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا تو اسے بھی زبردستی پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سوچوں سے پیچھا چھڑاتے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

For Next Episode Visit
Paksociety.com

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)